کُل پاکستان سُنّی کانفرنس مُلتان

کے پس منظر کا اجمالی مُطالعہ

مُحمّد عبد الحکیم شرف قادری

مکتبہ قادریہ
جامعہ نظامیہ رضویہ
لوہاری دروازہ لاہور، فون ۶۸۳۵۲

کتبہ: عاشق حسین ہاشمی
طابع : ایم منیر قاضی، ملّی پرنٹرز ۹۰ سرکلر روڈ لاہور
قیمت ۱/۰۰

راجا رشید محمود ایم۔ اے

سُنّی کانفرنس کے شرکاء سے

سُنیو! خود آگہی کا تم میں جاگا ہے جنوں
کیوں نہ میں تم میں سے ہر اک کو مبارکباد دوں

جدّ و جہدِ زندگی میں رہنمائی کی طلب
سرورِ کونین سے تم بھی کرو، میں بھی کروں

اپنی دُہرانے چلے ہو تم روایاتِ حسیں
اہلِ پاکستاں طمانیت نہ اب پائینگے کیوں

کی گئی جب کوششِ آزادئ ہندوستاں
رہنما اس کا تھا فضلِ حق کا سوزِ اندروں

اہلِ سُنّت بن گئے تحریکِ آزادی کی روح
توڑنے محکومئ انساں کی زنجیرِ زبوں

اعلیٰ حضرت نے دیا ملّی تشخص کا خیال
اُن کے پیروؤں میں سارے ہوگئے صاحبِ جنوں"

جسمِ تحریکِ قیامِ ملک کا بے جان تھا
اس میں اجمیر و بنارس ہی نے دوڑایا تھا خوں

دیں نظامِ مصطفیٰ کے واسطے قربانیاں
تم نے ہمت سے گزشتہ سال با حالِ زبوں

اب تحفظ ہے مقامِ مصطفیٰ کا سامنے!
جو تمہیں ملتان لے آیا بصد ذوقِ فزوں

انشراحِ قلب کی کیفیتیں ظاہر ہوئیں
اجتماعِ اہلِ سنت ہے یہاں وجہِ سکوں

جان و مال و آبرو آقا پہ کرتے ہو نثار
میں تہِ دل سے تمہارے ذوق پر قربان ہوں

اولیاء سایہ فگن ہیں ملک پر چھت کی طرح
عالمانِ اہلِ سنت ہیں عمارت کے ستوں

رہنما محمود ہیں نقشِ قدم اسلاف کے
اُلفتِ سرکار کے رستے پہ پاؤ گے سکوں

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

نحمدہ ونصلی علیٰ رسولہ الکریم وعلیٰ آلہ واصحابہ اجمعین

راہِ ہدایت

آج اکثر و بیشتر افراد یہ جاننا چاہتے ہیں کہ مختلف مکاتبِ فکر میں سے کون راہِ ہدایت پر ہے اور کون باطل پر؟ کس کی ہمنوائی کی جائے اور کس سے راہنمائی حاصل کی جائے؟ ہر طبقہ حقانیت کا دعویدار ہے اور اپنے حق میں قرآن وحدیث سے دلائل پیش کرتا ہے، دوسرے طبقوں کو باطل اور گمراہ قرار دیتا ہے، عام آدمی اُلجھ کر رہ جاتا ہے کہ کس کی بات مانے اور کس کی نہ مانے۔ اس مسئلے کے حل کے لیے درج ذیل سطور قلمبند کی جارہی ہیں۔ اللہ تعالیٰ سے دُعا ہے کہ حق وصداقت کے طلب گاروں کو راہِ ہدایت دکھائے اور راہِ راست پر چلنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین!

سورۂ فاتحہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں دُعا مانگنے کا طریقہ یوں تعلیم فرمایا ہے:

اِھۡدِنَا الصِّرَاطَ الۡمُسۡتَقِیۡمَ

ہمیں راہِ راست کی ہدایت فرما!

ہر شخص یہ کہہ سکتا ہے کہ راہِ راست وہی ہے جسے میں نے اختیار کیا ہے، اس لیے ساتھ ہی فرمادیا:

صِرَاطَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمۡتَ عَلَیۡہِمۡ

ان لوگوں کی راہ جن پر تو نے انعام فرمایا۔

یہ بھی قرآن پاک میں واضح فرمادیا کہ انعام یافتگان کون ہیں۔

مَنۡ یُّطِعِ اللّٰہَ وَالرَّسُوۡلَ فَاُولٰٓئِکَ مَعَ الَّذِیۡنَ اَنۡعَمَ اللّٰہُ عَلَیۡہِمۡ

مِّنَ النَّبِیّٖنَ وَالصِّدِّیۡقِیۡنَ وَالشُّہَدَآءِ وَالصّٰلِحِیۡنَ وَحَسُنَ اُولٰٓئِکَ رَفِیۡقًا۔

جو لوگ اللہ اور رسول کی اطاعت کریں گے۔ وہ ان لوگوں کے ساتھ ہوں گے جن پر اللہ تعالیٰ نے انعام فرمایا ہے، یعنی انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین۔

نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ بنی اسرائیل بہتّر فرقوں میں تقسیم ہوئے اور میری امت تہتّر فرقوں میں تقسیم ہوگی۔ ایک گروہ کے علاوہ تمام فرقے جہنم میں جائیں گے، صحابہ کرام نے عرض کیا، وہ کون سا گروہ ہے؟ فرمایا:

مَا اَنَا عَلَیۡہِ وَاَصۡحَابِیۡ

وہ جماعت جو میرے طریقے اور میرے اصحاب کے طریقے پر ہوگی۔

ایک اور حدیث میں ارشاد ہے:

اِتَّبِعُوا السَّوَادَ الۡاَعۡظَمَ فَاِنَّہٗ مَنۡ شَذَّ شُذَّ فِی النَّارِ

سوادِ اعظم (بڑی جماعت) کی پیروی کرو، کیونکہ جو علیحدہ ہوا، وہ آگ میں ڈالا گیا۔

اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ وہ کونسا گروہ ہے جو انبیاء، صدیقین، شہداء اور صالحین ایسے انعام یافتہ حضرات کی راہ پر گامزن ہے۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کے طریق پر کاربند ہے اور جسے سوادِ اعظم ہونے کا شرف حاصل ہے۔ تھوڑی سی سوجھ بوجھ رکھنے والا انسان بلا تامل یہ کہے گا کہ وہ مقدس گروہ اہل سنت وجماعت ہی ہے۔

حدیث شریف: "مَا اَنَا عَلَیۡہِ وَاَصۡحَابِیۡ" سے ہی اہل سنت وجماعت کا لقب ماخوذ ہے۔ اہل سنت: مَا اَنَا عَلَیۡہِ (جو میری سنت پر عمل پیرا ہو) کا ترجمان ہے اور جماعت اَصۡحَابِیۡ کا مفہوم ادا کر رہا ہے۔ اہل سنت وجماعت کا مطلب یہ ہوا کہ جو لوگ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی سنت اور جماعتِ صحابہ اور سلف صالحین کے

طریقے پر عمل پیرا ہوں۔

ملتِ اسلامیہ کے مسلّم راہنما، صحابہ کرام، اہل بیت عظام، بزرگانِ دین، ائمہ اربعہ امام اعظم ابوحنیفہ، امام مالک، امام شافعی، امام احمد بن حنبل، سلاسلِ طریقت کے پیشوا حضور سیدنا غوثِ اعظم، حضرت بہاء الدین نقشبند، حضرت شیخ شہاب الدّین سہروردی، حضرت خواجہ معین الدین چشتی، حضرت فریدالدین گنج شکر، حضرت نظام الدّین محبوب الٰہی، حضرت خواجہ بختیار کاکی، امام ربانی مجدد الف ثانی، حضرت شیخ عبدالحق محدّث دہلوی۔

ائمہ محدّثین میں سے صحاحِ ستّہ کے مصنفین اور دیگر جلیل القدر شیوخِ حدیث، مفسّرین میں سے امام مجاہد، ابن جریر طبری، فخر رازی، علاّمہ سیوطی، علاّمہ صاوی۔

فاتحینِ اسلام میں سے حضرت عمر بن عبدالعزیز، حضرت محمد بن قاسم، سلطان صلاح الدین ایّوبی، سلطان محمود غزنوی، سلطان اورنگ زیب عالمگیر۔

اسی طرح سرشارانِ عشق و محبت میں رومی، جامی، سعدی، بوصیری اور خسرو اسلامی فلسفہ و تصوّف کے سرخیل حضرت داتا گنج بخش علی ہجویری، ابنِ عربی، امام قشیری اور امام غزالی، دَورِ آخر کے علماء و مشائخ میں حضرت شاہ ولی اللہ محدّث دہلوی، شاہ عبدالعزیز محدّث دہلوی، علاّمہ فضل حق خیرآبادی، شاہ فضل رسول بدایونی، شاہ سلیمان تونسوی، حضرت خواجہ شمس العارفین سیالوی، پیر مہر علی شاہ، مولانا ارشاد حسین رامپوری اور مولانا احمد رضا خاں بریلوی۔

یہ سب حضرات کون تھے؟ ان میں صدیقین بھی ہیں۔ شہداء اور صالحین بھی ہیں، حنفی، شافعی، مالکی اور حنبلی، قادری، چشتی، نقشبندی اور سہروردی ہونے کے باوجود ان میں سب سے بڑی قدر مشترک یہ ہے کہ یہ سب اہل سنّت و جماعت تھے۔ اہل سنّت کے لیے یہ کتنے فخر کی بات ہے کہ وہ ان تمام حضرات کے طریقے پر ہیں۔ ان کا ماضی نہایت تابناک اور قابلِ فخر ہے۔ انہی کے لیے یہ مژدہ ہے: وَحَسُنَ اُولٰٓئِكَ رَفِيقًا اور انہی کے لیے یہ تمغۂ صداقت

ہے کہ وہ سوادِ اعظم ہیں۔

یہ امر محتاجِ بیان نہیں ہے کہ موجودہ دَور میں سوادِ اعظم کون ہیں۔ نبی اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم، صحابہ کرام، اہل بیت عظام اور بزرگانِ دین سے سچّی محبت رکھنے والے اور ان کے طریقے پر کون ہیں، یہ وہی طبقہ ہے جسے آج عرفِ عام میں بریلوی کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، بریلوی نیا فرقہ اور نیا گروہ نہیں ہے، بلکہ یہ اہل سنّت و جماعت کا علامتی نشان ہے، کیونکہ چودھویں صدی میں جب ہر طرف افراتفری کا دور دَورہ تھا اور فرقِ باطلہ کی بھرپور یلغار مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے درپے تھی، اس وقت امام احمد رضا بریلوی قدس سرّہٗ نے سلف صالحین کے مسلک، مسلکِ اہل سنّت و جماعت کی حفاظت کے لیے زبردست علمی اور قلمی جہاد کیا اور مخالفین پر وہ کاری ضرب لگائی کہ وہ آج بھی زخم چاٹتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں، ورنہ امام احمد رضا بریلوی نے کوئی نیا مذہب ایجاد نہیں کیا تھا۔ مخالفین بھی اس حقیقت کا برملا اعتراف کرتے ہیں۔ مشہور مؤرّخ سلیمان ندوی جن کا میلانِ طبع اہلحدیث کی طرف تھا، لکھتے ہیں:

> تیسرا فریق وہ تھا جو شدّت کے ساتھ اپنی روش پر قائم رہا اور اپنے کو اہل السُّنّۃ کہتا رہا۔ اس گروہ کے پیشوا زیادہ تر بریلی اور بدایوں کے علمائ تھے۔[1]

ملاحظہ فرمایا آپ نے کہ مخالفین خود یہ تسلیم کرتے ہیں کہ قدیم روش پر شدّت سے قائم رہنے والوں کے پیشوا زیادہ تر علمائ بریلی اور بدایوں ہی تھے۔

یہی حقیقت شیخ محمد اکرم ان الفاظ میں بیان کرتے ہیں:

> انہوں (امام احمد رضا بریلوی) نے نہایت شدّت سے قدیم حنفی طریقوں کی حمایت کی۔[2]

[1] سلیمان ندوی: حیاتِ شبلی ص ۴۶ (بحوالہ تقریب تذکرہ اکابرِ اہل سنّت ص ۲۲)

[2] موجِ کوثر: طبع ہفتم ۱۹۶۶ء، ص ۷۰ (ایضاً)

مولوی ثناء اللہ امرتسری اہلِ حدیث نے واشگاف الفاظ میں اعتراف کیا ہے :

امرتسر میں مسلم آبادی، غیر مسلم آبادی (ہندو سکھ وغیرہ) کے مساوی ہے۔ اسّی سال قبل پہلے قریباً سب مسلمان اسی خیال کے تھے جن کو آج کل بریلوی حنفی خیال کیا جاتا ہے۔

اس بیان سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ جب قدیم مسلمان اسی عقیدے کے حامل تھے جنہیں آج کے عرف میں بریلوی کہا جاتا ہے، تو فرقہ واریت اور انتشار پھیلانے کے ذمہ دار عناصر وہی ہوں گے جنہوں نے سادہ لوح عوام کو دیوبندی، وہابی اور غیر مقلد بنانے کی مہم چلائی ہے۔ طرفہ تماشا یہ کہ یہی عناصر آج پروپیگنڈہ کر رہے ہیں کہ اہلِ سنت وجماعت مسلمانوں کو پھاڑنے کا فریضہ انجام دے رہے ہیں، حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ ہر نوزائیدہ فرقہ، عوامِ اہلِ سنت کو اپنے دامِ تزویر میں پھنسا کر اپنے ساتھ ملانے کی کوشش کر رہا ہے اور اہلِ سنت وجماعت کا پیغام صرف یہ ہے کہ دامنِ مصطفےٰ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم سے اپنا تعلق مضبوط کرلو، ایمان محفوظ رہے گا۔ ایمان محفوظ رہا، تو سب کچھ محفوظ ہوگا اور اگر ایمان ہی نہ رہا تو کچھ بھی نہ رہے گا۔

اس تمہید کے بعد آیئے دورِ آخر میں اہلِ سنت کی دینی اور سیاسی خدمات کا مختصراً جائزہ لیں :

جنگِ آزادی ۱۸۵۷ء

متحدہ پاک وہند میں جب سے اسلام کی ضیاء پہنچی، محراب ومنبر، سجادہ وخانقاہ اور قصرِ حکومت وامارت، جہاں سے بھی دینِ متین کی خدمت وتبلیغ ہوئی، اس کا سہرا اہلِ سنت کے سر رہا، حتی کہ سرزمینِ ہند پر انگریز کے منحوس قدم پہنچے، جہاں تقریباً ایک ہزار سال مسلمان فاتح کی حیثیت سے حکمرانی کر چکے تھے۔ انگریز اس سرزمین پر تاجر بن کر آیا تھا، پھر رفتہ رفتہ اپنی ریشہ دوانیوں اور فریب کاریوں سے اقتدار پر قابض ہوگیا۔ مسلمان بادشاہ کے اختیارات سلب کرلیے، مساجد

منہدم کی گئیں۔ مسلمانوں کی تحقیر وتذلیل میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کیا گیا، بلکہ مسلمانوں کو عیسائی بنانے کے لیے سازشوں کے جال بچھائے گئے۔ صرف مسلمان ہی نہیں، ہندو بھی اپنا مذہب خطرے میں محسوس کرنے لگے۔ میرٹھ میں جب مسلمان فوجیوں کو سور کی چربی والے اور ہندوؤں کو گائے کی چربی والے کارتوس دانتوں سے کاٹنے پر مجبور کیا گیا، تو دونوں فریق بھڑک اُٹھے اور انگریز کے خلاف جنگ شروع کردی۔

غیظ وغضب میں بپھرے ہوئے فوجی انگریزوں کو پامال کرتے ہوئے دہلی پہنچے اور بہادر شاہ ظفر کو اپنا بادشاہ مقرر کرلیا۔ جنرل بخت خان بھی فوج لے کر بریلی سے دہلی پہنچ گئے۔ اس وقت علماء اہلِ سنت ہی تھے، جنہوں نے فرضیتِ جہاد کے فتوے صادر کیے اور اپنی تقریروں سے عوام وخواص میں روحِ جہاد پھونک دی۔ انہی کی تحریک اور قیادت کا نتیجہ تھا کہ مجاہدین کفن بردوش میدانِ جنگ میں کود پڑے اور دادِ شجاعت دیتے ہوئے جامِ شہادت نوش کر گئے۔

اسباب وعوامل کچھ بھی تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ یہ تحریکِ جہاد کامیابی سے ہمکنار نہ ہوسکی اور انگریز نے اپنا اقتدار بحال کرکے تحریکِ آزادی سے تعلق رکھنے والے علماء اور مجاہدین پر وہ مظالم ڈھائے کہ ہلاکو، چنگیز، ہٹلر اور مسولینی ایسے سفاک بھی پیچھے رہ گئے۔ مجاہدین کو کالے پانی کی سزا دی گئی، جائیدادیں ضبط کی گئیں۔ زندہ مسلمانوں کو سور کی کھال میں سلوا کر تیل کے کڑھاؤ میں ڈالا گیا۔ سکھ رجمنٹ سے سرِ عام اغلام کرایا گیا۔ مسجد فتح پوری سے قلعہ کے دروازے تک مسلمانوں کی لاشیں درختوں سے لٹکائی گئیں۔ مجاہدین کو توپ سے اڑایا گیا، مساجد کی بے حرمتی کی گئی اور حوضوں میں گھوڑوں کی لید ڈالی گئی۔ غرض یہ کہ وحشت و بربریت کا کوئی مظاہرہ ایسا نہ تھا جو نہ کیا گیا۔

علامہ فضلِ حق خیر آبادی، مولانا احمد اللہ شاہ مدراسی دلاور جنگ، مولانا کفایت علی کافی، مفتی عنایت احمد کاکوروی، مفتی صدر الدین آزردہ، ڈاکٹر وزیر خاں اکبر آبادی

مولانا فیض احمد بدایونی، مفتی مظہر کریم دریا آبادی وغیرہم یہ تمام علمائے اہل سنت ہی تھے جن کی قیادت اور شمولیت نے تحریک کو شعلہ بداماں بنا دیا تھا، ان میں سے بعض کو کالے پانی کی سزا دی گئی، بعض کو سرِ عام پھانسی پہ چڑھا دیا گیا، بعض کو انگریز کے ایجنٹوں نے شہید کر دیا اور بعض کی جائداد ضبط کر لی گئی۔

علمائے اہل حدیث کا موقف معلوم کرنے کے لیے نواب صدیق حسن خان بھوپالی کی تصنیف "ترجمانِ وہابیہ" اور مولوی محمد حسین بٹالوی کی تصنیف "الاقتصاد فی مسائل الجہاد" کا مطالعہ مفید رہے گا جس میں انہوں نے واشگاف الفاظ میں حکومتِ برطانیہ سے جہاد کو ناجائز قرار دیا ہے۔

علمائے دیوبند نے کہاں تک جنگِ آزادی میں حصہ لیا، اس کا اندازہ ذیل کے اقتباس سے کیا جا سکتا ہے۔ ہوا یہ کہ کسی مخبر نے بنا بر مخاصمت مولوی رشید احمد گنگوہی اور مولوی محمد قاسم نانوتوی کے باغی ہونے کی مخبری کر دی، اس سے آگے مولوی عاشق الٰہی میرٹھی کی زبانی سنیے:

"یہ حضرات حقیقتہً بے گناہ تھے، مگر دشمنوں کی یاوہ گوئی نے ان کو باغی ومفسد وسرکاری خطاوار ٹھہرا رکھا تھا، اس لیے گرفتاری کی تلاش تھی، مگر حق تعالیٰ کی حفاظت بر سر تھی، اس لیے کوئی آنچ نہ آئی اور جیسا کہ آپ حضرات اپنی مہربان سرکار کے دلی خیر خواہ تھے، تا زیست خیر خواہ ہی ثابت رہے۔[1]

اس سے آگے لکھتے ہیں:

آپ کوہِ استقلال بنے ہوئے خدا کے حکم پر راضی تھے اور سمجھے ہوئے تھے کہ میں جب حقیقت میں سرکار کا فرمانبردار رہوں، تو جھوٹے الزام سے

[1] عاشق الٰہی میرٹھی: تذکرۃ الرشید، ج ۲، ص ۷۷

میرا بال بیکانہ ہوگا اور اگر مارا بھی گیا، تو سرکار مالک ہے اسے اختیار ہے جو چاہے کرے۔[1]

یہ صحیح ہے کہ یہ تحریک وقتی طور پر کامیاب نہ ہو سکی اور مسلمانوں کو اس کی بہت بڑی قیمت ادا کرنا پڑی، تاہم اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اس تحریک نے مسلمانوں کے دلوں میں آزادی کی وہ شمع روشن کر دی جو بالآخر استخلاصِ وطن اور قیامِ پاکستان پر منتج ہوئی۔ پاکستان کے متعصب مورخ کی کس قدر احسان ناشناسی ہے کہ اس کا قلم ان مجاہدین کو خراجِ تحسین پیش کرنے کے لیے چند سطریں بھی لکھنے کا روادار نہیں ہے۔

تحریکِ ترکِ موالات

تقریباً ۱۹۱۹ء میں جب انگریزوں نے ترکوں پر ظلم و تشدد کی انتہا کر دی، تو اس کے ردِ عمل میں تحریکِ خلافت شروع ہوئی اور مسلمانوں نے ہر ممکن طریقے سے جبر واستبداد کی مذمت کی۔ مسلمانوں کے فطری جوش وخروش سے فائدہ اٹھاتے ہوئے گاندھی نے ترکِ موالات کا اعلان کر دیا جس کا مقصد یہ بتایا گیا کہ انگریزوں کا بائیکاٹ کیا جائے۔ تمغے اور جاگیریں واپس کر دی جائیں، ملازمتیں چھوڑ دی جائیں۔ اس تحریک کا اس شد ومد سے پروپیگنڈا کیا گیا کہ مسلمانوں کے بڑے بڑے لیڈر گاندھی کی آندھی کی لپیٹ میں آ گئے۔

معاملہ یہاں تک بڑھا کہ گاندھی امام تھا اور کانگرسی علماء دست بستہ اور چشم بستہ اس کے مقتدی بنے ہوئے تھے اور اس کی تعریف میں اس طرح رطب اللسان تھے کہ "اگر نبوت ختم نہ ہو گئی ہوتی، تو مہاتما گاندھی نبی ہوتے"، کوئی کہتا "زبانی جے پکارنے سے کچھ نہیں ہوتا، اگر تم ہندو بھائیوں کو راضی کر لو گے، تو خدا راضی ہوگا"۔ کسی نے یوں اظہارِ عقیدت کیا کہ "ان (گاندھی) کو اپنا رہنما بنا لیا ہے جو وہ کہتے ہیں، وہی مانتا ہوں اور میرا حال تو سر دست اس شعر کے موافق ہے۔

[1] عاشق الٰہی میرٹھی: تذکرۃ الرشید ج ۲، ص ۸۰

عمرے کہ بآیات و احادیث گزشت
رفتی و نثارِ بت پرستے کردی

کسی نے مستانہ وار یہ نعرہ لگایا کہ "میں اپنے لیے بعد رسولِ مقبول صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم گاندھی جی ہی کے احکام کی متابعت ضروری سمجھتا ہوں"، جب قائد ایسے ہوں گے تو عوام الناس کا کیا حال ہوگا۔

خان عبدالوحید خاں لکھتے ہیں: جامع مسجد دہلی کے منبر پر شردھانند کی تقریریں کرائی گئیں، ایک ڈولی میں قرآن کریم اور گیتا کو رکھ کر جلوس نکالے گئے، مسلمانوں نے قشقے لگائے، گاندھی جی کی تصویروں اور بُتوں کو گھر میں آویزاں کیا گیا، حضرت موسیٰ علیہ السلام کو کرشن کا خطاب دیا گیا، وید کو الہامی کتاب تسلیم کیا گیا، گائے کی قربانی کی ممانعت کے فتاویٰ اونٹوں کی پشت سے تقسیم کیے گئے۔ [1]

ایسے بلا خیز دور میں کلمۂ حق کہنا معمولی دل گردے کا کام نہ تھا۔ اس تحریک کی مخالفت کرنے والے پر فوراً انگریز پرستی کا الزام لگا دیا جاتا۔ قریب تھا کہ مسلمانوں کا سفینہ گنگا جمنا میں غرق ہو جاتا کہ بریلی سے امام احمد رضا بریلوی نے کسی کی پرواہ کیے بغیر اس قوت سے نعرۂ حق بلند کیا کہ باطل کی بنیادیں ہل گئیں۔ آپ نے بسترِ علالت سے نہایت وقیع کتاب المحجۃ المؤتمنۃ لکھ کر ہندوؤں اور ہندو نوازوں کے شکوک و شبہات کے تار و پود بکھیر کر رکھ دیے اور واشگاف الفاظ میں بتایا کہ ہندو مسلم اتحاد تو کجا مسلمانوں کو کفار سے محبت رکھنا بھی جائز نہیں ہے۔ امام ربانی مجدد الفِ ثانی کے بعد امام احمد رضا بریلوی وہ نمایاں ترین ہستی ہیں جنہوں نے ببانگِ دہل اعلان کیا کہ ہندو اور مسلمان دو الگ قومیں ہیں۔ ان کا آپس میں کسی صورت میں اتحاد نہیں ہو سکتا۔

[1] خان عبدالوحید خاں، مسلمانوں کا ایثار و جنگِ آزادی ص ۱۴۳، ۱۴۲ (بحوالہ اعلیٰ حضرت کی سیاسی بصیرت، از سید نور محمد قادری)

اعلیٰ حضرت مولانا شاہ احمد رضا بریلوی نے انفس الفکر فی قربان البقر لکھ کر ہندوؤں کی آرزوؤں کو خاک میں ملا دیا۔ ہندو چاہتے تھے کہ کسی طور مسلمان گائے کی قربانی سے باز آجائیں، چنانچہ انہوں نے بعض علماء سے فتوے بھی حاصل کر لیے کہ اگر ہندوؤں کی ناراضگی سے بچنے کے لیے گائے کی قربانی نہ کی جائے، تو کوئی حرج نہیں ہے۔ اعلیٰ حضرت نے فرمایا: گائے کی قربانی شعارِ اسلام اور ہمارا حق ہے کسی کو کیا حق پہنچتا ہے کہ شعارِ اسلام پر پابندی لگائے، آپ کے فتاویٰ کی اشاعت کا نتیجہ یہ نکلا کہ پھر ہندوؤں کو ایسی سازش کرنے کی جرأت نہ ہوئی۔ کہنا یہ ہے کہ آپ نے ہر نازک مرحلہ پر مسلمانوں کے ملی تشخص کی حفاظت کی اور انہیں احساس دلایا کہ وہ ہندوؤں سے الگ قوم ہیں۔

۱۹۳۵ء میں مولوی حسین احمد مدنی نے ایک تقریر میں کہا کہ "قومیں اوطان سے بنتی ہیں" یعنی ایک وطن میں رہنے والے خواہ وہ مسلمان ہوں یا ہندو اور سکھ، ایک ہی قوم ہیں۔ علامہ اقبال نے اسے غیر اسلامی نظریہ قرار دیا اور اپنے عقیدے کا ان الفاظ میں اظہار کیا ؎

عجم ہنوز نداند رموزِ دیں ورنہ — ز دیوبند حسین احمد ایں چہ بوالعجبی است
سرود برسرِ منبر کہ ملت از وطن است — چہ بے خبر ز مقامِ محمدِ عربی است

بمصطفیٰ برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نرسیدی تمام بولہبی است

علماء دیوبند مجموعی طور پر تحریکِ پاکستان کے مخالف اور گاندھی سیاست کے پیروکار رہے ہیں۔ مولوی حسین احمد مدنی، مولوی محمود حسن، ابوالکلام آزاد، مولوی عطاء اللہ شاہ بخاری، مولوی حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولوی حفظ الرحمٰن سیوہاروی، مفتی کفایت اللہ، مولوی احمد سعید وغیرہم نے جس شد و مد سے تحریکِ پاکستان کی مخالفت اور کانگریسی نقطۂ نظر کی حمایت کی، وہ کسی سے مخفی نہیں ہے۔ مسلم لیگ کی طرف سے جب ان لوگوں کو دعوت دی گئی کہ آپ بھی مسلم لیگ کے پلیٹ فارم پر آجائیں تاکہ مل جل کر استخلاصِ وطن کی کوشش

کی جائے، تو انہوں نے اتنی خطیر رقم کا مطالبہ کیا جس کے ادا کرنے سے مسلم لیگ قاصر تھی۔

خواجہ رضی حیدر لکھتے ہیں:

ان اجلاسوں (جون ۱۹۳۶ء) سے مولانا احمد سعید نے بھی خطاب کیا اور (انہوں) نے کہا کہ دیوبند کا ادارہ اپنی تمام خدمات مسلم لیگ کے لیے پیش کر دے گا، بشرطیکہ پروپیگنڈا کا خرچ لیگ برداشت کرے۔ اس کام کے لیے پچاس ہزار روپے کی رقم بھی طلب کی گئی جو لیگ کی استعداد سے باہر تھی، اس لیے محمد علی جناح نے اس مطالبے کو مسترد کرتے ہوئے کہا نہ اتنا سرمایہ لیگ کے پاس فی الوقت موجود ہے اور نہ ہی اس کا مستقبل میں امکان ہے، اس لیے صرف قومی جذبے کے پیش نظر کام کیا جائے۔

مرزا ابوالحسن اصفہانی نے لکھا ہے کہ ان علماء کو اس سے مایوسی ہوئی اور وہ رفتہ رفتہ کانگریس کی طرف ڈھلتے گئے اور کانگریس پارٹی کے لیے پرچار کرنے لگے جو ظاہر ہے کہ ان کے مالی تقاضے پورے کر سکتی تھی[1]

پاکستان میں رہنے والے دیوبندی علماء، تحریکِ پاکستان کی مخالفت پر آج بھی کوئی ندامت محسوس نہیں کرتے، بلکہ اپنے اس کارنامے پر فخر کرتے ہیں۔ مفتی محمود نے ایک میٹنگ میں برملا کہا تھا:

خدا کا شکر ہے ہم پاکستان بنانے کے گناہ میں شریک نہیں تھے (مفہوماً)

ہمیں ان جانبدار مؤرخوں پر تعجب ہے جو تحریکِ پاکستان کی کامیابی کا سہرا علمائے دیوبند کے سر باندھتے ہوئے ذرّہ بھر نہیں ہچکچاتے۔ تاریخ کا معمولی سا مطالعہ رکھنے والا طالب علم بھی محسوس کرتا ہے کہ یہ تاریخ بیان نہیں کی جا رہی، بلکہ تاریخ بنائی جا رہی ہے، شاید انہیں علم نہیں ہے کہ تاریخی حقائق لاکھ پردے ڈالنے کے باوجود بھی کسی نہ کسی وقت بے نقاب ہو کر رہتے

[1] خواجہ رضی حیدر: قائدِ اعظم کے ۷۲ سال، مطبوعہ سوتی اکیڈمی کراچی ۱۹۷۶ء (بحوالہ قائدِ اعظم جناح میری نظر میں، از مرزا ابوالحسن اصفہانی، ص ۳۰)

ہیں۔ انشاء اللہ العزیز وہ وقت جلد آنے والا ہے۔ جب نظریۂ پاکستان کے حامی اور مخالف صاف پہچانے جا سکیں گے۔

یہ نہیں کہ امام احمد رضا بریلوی، آزادئ وطن کے مخالف تھے، انہیں اُس طریقِ کار اور اندازِ فکر سے اختلاف تھا جس کے نتیجے میں مسلمانوں کا جداگانہ تشخص مٹ جاتا یا کم از کم مضمحل ہو جاتا، خدانخواستہ اگر ایسی صورت ہوتی، تو آج پاکستان کا نام و نشان کہیں نہ ملتا، آپ نے ایک ملاقات میں مولانا محمد علی جوہر اور مولانا شوکت علی سے فرمایا:

مولانا! میں ملکی آزادی کا مخالف نہیں، ہندو مسلم اتحاد کا مخالف ہوں[1]

تحریکِ پاکستان

اہل سنّت و جماعت ابتدا ہی سے دو قومی نظریہ کے حامی بلکہ داعی رہے ہیں۔ ۱۹۲۱ء میں اعلیٰ حضرت کے وصال کے بعد آپ کے تلامذہ، خلفاء، معتقدین اور آپ کے ہم مسلک علمائے نے ملتِ اسلامیہ کی راہنمائی کا فریضہ بحسن و خوبی انجام دیا۔

۱۹۳۱ء میں جب علامہ اقبال نے خطبۂ الٰہ آباد میں تقسیمِ ہند کی تجویز پیش کی تو کانگریسی حلقوں کی طرف سے اس کی سخت مخالفت کی گئی۔ اس موقعہ پر صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی غالباً پہلے عالمِ دین تھے جنہوں نے اس تجویز کی پُرزور حمایت کی اور فرمایا:

ڈاکٹر اقبال کی رائے پر کہ ہندوستان کو دو حصوں میں تقسیم کر دیا جائے ایک حصّہ ہندوؤں کے زیرِ اقتدار ہو، دوسرا مسلمانوں کے، ہندوؤں کو کس قدر اس پر غیظ آیا، یہ ہندو اخبارات کے دیکھنے سے ظاہر ہوگا، کیا یہ کوئی ناانصافی کی بات تھی۔ اگر اس سے ایک طرف مسلمانوں کو کوئی فائدہ پہنچتا تھا، تو ہندوؤں کو بھی اسی نسبت سے نفع ملتا...... اس کو تو کون جانتا ہے کہ پردۂ غیب

[1] محمد مسعود احمد پروفیسر: فاضل بریلوی اور ترکِ موالات، ص ۴۵

سے کیا ظاہر ہوگا اور مستقبل کیا صورتیں سامنے لائے گا، لیکن ہندو اس وقت خالی بات بھی نوکِ زباں پر لانے کو تیار نہیں ہیں جو مسلمانوں کو اچھی معلوم ہو، اس حالت میں بھی کوئی مسلمان کہلانے والی جماعت (کانگرسی علماء) ہندوؤں کا کلمہ پڑھتی ہے اور اپنی اس پُرانی فرسودہ لکیر کو پیٹا کرے، تو اس پر ہزار افسوس! کاش اس وقت یہ حضرات خاموش ہو جائیں اور کام کرنے والوں کو کام کر لینے دیں [1]

آل انڈیا سنّی کانفرنس

یوں تو قیام کے وقت سے ہی مسلم لیگ کو مسلمانوں کی ہمدردیاں حاصل تھیں اور جگہ جگہ اس کی شاخیں بھی قائم تھیں جو پوری تندہی سے کام کر رہی تھیں، لیکن مطالبۂ پاکستان میں جان اس وقت پیدا ہوئی، جب اہل سنت و جماعت کے علماء و مشائخ نے متفقہ طور پر قیامِ پاکستان کے مطالبہ کی حمایت کی اور نظریۂ پاکستان کو ملک کے گوشے گوشے میں پہنچا دیا۔

حضرت صدر الافاضل مولانا سید محمد نعیم الدین مرادآبادی، اہل سنت کی تنظیم آل انڈیا سنّی کانفرنس کے ناظمِ اعلیٰ تھے۔ ان کی شبانہ روز انتھک محنت کے نتیجے میں ۲۷ تا ۳۰ اپریل ۱۹۴۶ء آل انڈیا سنّی کانفرنس بنارس کا چار روزہ اجلاس بڑی شان و شوکت سے منعقد ہوا۔ اس موقعہ پر بنارس، رشکِ چمن بنا ہوا تھا۔ یوں معلوم ہوتا تھا کہ سرزمینِ بنارس پر قدسیوں کا نزول ہے اور رحمت و نور کی بارش ہو رہی ہے۔ اہل سنت کے پانچ ہزار علماء و مشائخ اور لاکھوں حاضرین کا اجتماع تھا۔ فضائیں ذکر و فکر کے انوار سے معمور تھیں اور تمام شرکاء قیام پاکستان کے لیے کام کرنے کے جذبے سے سرشار تھے۔

اس اجلاس میں متفقہ طور پر منظور شدہ قرارداد کی بعض اہم دفعات یہ ہیں:

---

[1] محمد صادق قصوری: اکابر تحریکِ پاکستان، ج ۱، ص ۲۷۱

۱۔ یہ اجلاس مطالبۂ پاکستان کی پُرزور حمایت کرتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ علماء و مشائخ اہل سنت اسلامی حکومت کے قیام کی تحریک کو کامیاب بنانے کے لیے ہر امکانی قربانی کے لیے تیار ہیں۔

۲۔ یہ اجلاس تجویز کرتا ہے کہ اسلامی حکومت کے لیے لائحۂ عمل مرتب کرنے کے لیے حسبِ ذیل حضرات کی ایک کمیٹی بنائی جاتی ہے:

مولانا سیّد محمد محدث کچھوچھوی (تلمیذ و خلیفۂ اعلیٰ حضرت)، مولانا سید نعیم الدین مرادآبادی (خلیفۂ اعلیٰ حضرت)، مولانا مصطفےٰ رضا خان (ابن اعلیٰ حضرت) مولانا امجد علی (خلیفۂ اعلیٰ حضرت و والد ماجد علامہ عبد المصطفےٰ ازہری)، مولانا عبد العلیم میرٹھی (خلیفۂ اعلیٰ حضرت و والد ماجد شاہ احمد نورانی) مولانا ابو الحسنات محمد احمد (ابن خلیفۂ اعلیٰ حضرت)، مولانا ابو البرکات سید احمد (خلیفۂ اعلیٰ حضرت) مولانا عبد الحامد بدایونی، دیوان سید آلِ رسول (سجادہ نشین درگاہ اجمیر شریف) خواجہ قمر الدین سیالوی، شاہ عبد الرحمٰن بھرچونڈی شریف، سید امین الحسنات مانکی شریف اور مصطفےٰ اعلیٰ خاں [1]

اس کانفرنس کے بعد اسی سلسلے میں دیگر مقامات پر بھی کانفرنسیں ہوئیں اور اہل سنت کے علماء و مشائخ نے ملک کے چپّے چپّے میں مطالبۂ پاکستان کا پیغام پہنچایا، امیرِ ملت حضرت پیر جماعت علی شاہ محدث علی پوری نے پورے ہندوستان اور خاص طور پر پنجاب کے ایک ایک قریہ اور ایک ایک بستی میں جا کر نظریۂ پاکستان کی تبلیغ فرمائی، صوبۂ سرحد میں کانگریسیوں کا بہت زور تھا جسے پیر صاحب مانکی شریف، پیر صاحب زکوڑی شریف، مولانا عبد الحامد بدایونی اور دیگر علماء اہلسنت کی مساعی نے ناکام بنایا، اللہ تعالیٰ نے قیامِ پاکستان کی راہ ہموار کی اور پاکستان معرضِ وجود میں آگیا۔

---

[1] پروفیسر محمد مسعود احمد: فاضل بریلوی اور ترکِ موالات ص ۸۰-۷۹

جمعیۃ العلماء پاکستان کا قیام

چونکہ قیام پاکستان سے آل انڈیا سنی کانفرنس کا مقصد پورا ہو چکا تھا اس لئے حضرت علامہ احمد سعید کاظمی مدظلہ کی مساعی جمیلہ سے مارچ ۱۹۴۸ء میں مدرسہ عربیہ انوار العلوم ملتان میں علماء اہل سنت کا ایک اجتماع ہوا جس میں آل انڈیا سنی کانفرنس کا نام جمعیت العلماء پاکستان رکھ دیا گیا، جس کے صدر حضرت علامہ ابوالحسنات اور ناظم اعلیٰ حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی مقرر ہوئے اور ایک دفعہ پھر اہلسنت کا قافلہ رواں دواں ہو گیا۔

جمعیۃ العلماء پاکستان اور جمعیۃ المشائخ کے متفقہ فیصلہ کے مطابق ۷ رمئی ۱۹۴۸ء بروز جمعہ پاکستان بھر میں یوم شریعت منایا گیا، جلسے منعقد ہوئے، قائداعظم اور اسلامی جرائد کو تاریں دی گئیں اور حکومت پر زور دیا گیا کہ پاکستان میں قانونِ اسلامی نافذ کیا جائے۔

جب مجاہدین اسلام، محاذِ کشمیر پر داد شجاعت دے رہے تھے اور حق خود ارادیت کے لئے جانبازی کا مظاہرہ کر رہے تھے، تو مودودی صاحب نے جس طرح تحریکِ پاکستان کی مخالفت کی تھی۔ اسی طرح اس جنگ کی بھی مخالفت کی اور کہا کہ یہ جنگ جہاد نہیں ہے اور اس میں جان دینے والے شہید نہیں ہیں۔ اس موقع پر حضرت علامہ ابوالحسنات سید احمد قادری میدان میں آئے اور انہوں نے فتویٰ دیا کہ یہ جنگ، جہاد فی سبیل اللہ ہے اور اس میں جان دینے والے شہید ہیں۔ مسلمانوں کو ہر ممکن طریقہ سے مجاہدین کی امداد کرنا چاہیئے، جمعیۃ العلماء پاکستان کی کوششوں سے ۸۰ ہزار روپے سے زائد کا امدادی سامان مجاہدین میں تقسیم کیا گیا صدر جمعیۃ نے بنفس نفیس محاذ کشمیر کے کئی دورے کئے اور مجاہدین کی حوصلہ افزائی کی انہی مساعی جمیلہ کی بنا پر آپ کو غازیٔ کشمیر کا لقب دیا گیا۔

تحریک ختم نبوت

قیامِ پاکستان کے بعد ختم نبوت کے قصر رفیع میں نقب لگانے والے مرزائی، قادیان سے منتقل ہو کر پاکستان

؎ محمد احمد قادری، ...الحسنات سید : روئداد مرکزی جمعیۃ العلماء پاکستان، لاہور ص ۱۸

آ گئے اور اس وقت کے وزیرِ خارجہ ظفر اللہ کے ذریعے ربوہ کی سرزمین برائے نام قیمت پر خرید کر ارتداد پھیلانے میں مصروف ہو گئے۔ اس فتنے کے انسداد کے لئے پاکستان کے تمام علماء سنی، دیوبندی، غیر مقلد، جماعت اسلامی اور شیعہ نے مل کر ۱۹۵۳ء میں مجلس عمل قائم کی، جس کے صدر مولانا ابوالحسنات قادری منتخب ہوئے، متفقہ طور پر ناظم الدین کی حکومت سے مطالبہ کیا گیا کہ ظفر اللہ کو وزارتِ خارجہ کے منصب سے برطرف کیا جائے اور مرزائیوں کو قانونی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے، لیکن اربابِ اقتدار ٹس سے مس نہ ہوئے، آخر طے پایا کہ ایک وفد کراچی جا کر مرکزی وزیرِ اعظم خواجہ ناظم الدین سے ملے اور اپنے مطالبات پیش کرے۔

خواجہ ناظم الدین نے مطالبات تسلیم نہ کئے اور وفد کے قائدین کو گرفتار کر لیا۔ یہ خبر جنگل کی آگ کی طرح پورے ملک میں پھیل گئی اور جگہ جگہ احتجاجی جلسے ہونے لگے، جلوس نکلنے لگے، عوام و خواص کے مطالبے اور احتجاج کی شدّت کے ساتھ ساتھ حکومت کا تشدد بھی بڑھتا گیا اور پورے ملک کے جیل خانے فدایانِ ختم نبوت سے بھر گئے۔

حضرت علامہ ابوالحسنات قادری اور دیگر زعماء کو سکھر جیل میں منتقل کر دیا گیا، آپ نے قید و بند کی صعوبتوں کو بڑی استقامت سے برداشت کیا، جب پس دیوار زنداں آپ کو اطلاع ملی کہ آپ کے اکلوتے فرزند مولانا خلیل احمد قادری کو تحریکِ ختم نبوّت میں حصّہ لینے کی بنا پر پھانسی کی سزا سنا دی گئی ہے، تو آپ نے بے ساختہ فرمایا۔

الحمدللہ! اللہ تعالےٰ نے میرا یہ معمولی ہدیہ قبول فرما لیا۔

جب دیگر زعماء گرفتار ہو گئے، تو مجاہد ملّت مولانا عبدالستار خاں نیازی نے مسجد وزیر خاں کو مرکز بنا کر شعلہ بار تقریروں سے تحریک کو آگے بڑھایا، بعد میں انہیں بھی گرفتار کر لیا گیا اور مولانا خلیل احمد قادری کی طرح ان کے خلاف بھی پھانسی کا فیصلہ کر دیا گیا، قریب تھا کہ یہ تحریک کامیابی سے ہمکنار ہو جاتی کہ بعض آسائش پسند لیڈر حکومت سے معافی

مانگ کر رہا ہو گئے اور اس طرح تحریک کا زور ٹوٹ گیا اور وقتی طور پر یہ تحریک رُک گئی۔

بھٹو کے دور میں ۱۹۷۴ء میں یہ مطالبہ پھر شدّت اختیار کر گیا کہ مرزائیوں کو قانونی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے، مجلس تحفظ ختم نبوّت قائم ہوئی جس کے سیکرٹری جنرل مولانا سیّد محمود احمد رضوی، شارحِ بخاری منتخب ہوئے، تحریک نے اس قدر زور پکڑا کہ یہ مسئلہ قومی اسمبلی میں پیش ہوا، مرزا ناصر احمد کو وضاحت پیش کرنے کے لئے اسمبلی میں بلایا گیا اس نے دیگر ثبوت پیش کرنے کے علاوہ بانیٔ دار العلوم دیوبند مولوی محمد قاسم نانوتوی کی کتاب تحذیر الناس سے اس قسم کی عبارات پیش کیں کہ "اگر بالفرض بعد زمانۂ نبوی صلی اللہ علیہ وسلم بھی کوئی نبی پیدا ہو، تو پھر بھی خاتمیت محمدی میں کچھ فرق نہ آئے گا۔ (ص ۲۸)

دیوبندی علماء بھی موجود تھے وہ کیا جواب دیتے؟ اس موقعہ پر مولانا شاہ احمد نورانی نے کہا کہ ختم نبوت کا جو بھی منکر ہو خواہ کسے باشد ہمارے نزدیک کافر ہے اور ہمارے لئے حجت نہیں ہے۔

مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دینے کی قرارداد بھی مولانا شاہ احمد نورانی نے پیش کی جس کے مطابق ختم نبوّت کا منکر خواہ وہ قادیانی ہو یا لاہوری پارٹی سے تعلق رکھتا ہو کافر قرار دیا گیا، اسی دوران لاہوری پارٹی کے کچھ افراد نے مولانا نورانی کو پیش کش کی کہ چونکہ ہم مرزا کو نبی نہیں مانتے اس لئے قرارداد میں سے ہمارا نام خارج کر دیں اس کے عوض ہم آپ کو پچاس لاکھ روپے پیش کرتے ہیں، مولانا شاہ احمد نورانی نے فرمایا۔

آپ کی پیشکش ہمارے جوتے کی نوک پر ہے، مرزا مدعیٔ نبوّت ہے جو اسے مجدد، مصلح یا مسلمان مانتا ہے وہ بھی کافر ہے اور میری قرارداد سے کوئی لفظ حذف نہیں ہو سکتا، آپ لوگ یہاں سے نکل جائیں [۱]

اس کے علاوہ کئی سرکاری افسروں نے بھی یہی تقاضا کیا، لیکن قائد اہلسنت کسی کو

---

[۱] محمد صادق، مولانا ابو داؤد: شاہ احمد نورانی ص ۱۵۸

خاطر میں نہیں لائے۔

اسمبلی کے اندر اور باہر علماء اہل سنت نے تین ماہ تک زبردست تحریک چلائی جلسوں جلوسوں اور قراردادوں سے اربابِ اقتدار پر اس قدر دباؤ ڈالا کہ آئینی طور پر مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیّت قرار دے دیا گیا، یہ الگ بات ہے کہ مرزائی بدستور کلیدی عہدوں پر براجمان رہے اور ان کے خلاف کوئی کارروائی نہ کی گئی۔

آل پاکستان سُنّی کانفرنس دار السّلام

۱۹۶۱ء میں حضرت علامہ ابو الحسنات قادری کے وصال کے بعد جمعیۃ العلماء پاکستان تعطل کا شکار رہی اور کوئی قابلِ ذکر کارنامہ انجام نہ دے سکی ۱۹۶۸ء میں جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو لاہور میں مرکزی سطح کا اجلاس منعقد ہوا جس میں حضرت شیخ القرآن علامہ عبد الغفور ہزاروی کو صدر منتخب کیا گیا، یہ اہلسنت کی بیداری اور تنظیم کا نیا دور تھا جس میں جمعیّت کی قیادت نے تحریکِ بحالیٔ جمہوریت میں نمایاں کردار ادا کیا جلسے کئے، جلوس نکالے اور اہل سنت کو نیا ولولہ عطا کیا۔

۱۹۶۹ء اور ۱۹۷۰ء کے سالوں میں بھٹو نے روٹی، کپڑے اور مکان کے نعرے کے ساتھ سوشلزم کا نعرہ لگایا، تو بہت سے سادہ لوح اور مفاد پرست اس کے ہمنوا بن گئے بظاہر یوں دکھائی دینے لگا کہ کلمۂ طیبہ کے نام پر حاصل کئے جانے والے ملک کے باشندے سوشلزم کے حق میں فیصلہ دے دیں گے، اس وقت اسلام کا نام لینا اپنے آپ کو آزمائش میں ڈالنے کے مترادف تھا، علماء پر پھبتیاں کسی جا رہی تھیں، اسلام اور قرآن کا کھلے بندوں مذاق اڑایا جا رہا تھا سوشلسٹوں کے حوصلے بہت بلند تھے ایسے نازک وقت میں سب سے پہلے علماء اہل سنت نے ہی کلمۂ حق بلند کیا اور سوشلزم کے سامنے سدِ سکندری بن کر کھڑے ہو گئے اور اس جرأت اور استقامت سے اسلامی نظام کی حمایت

کی کہ طوفان کا رخ بدل دیا اور در و دیوار نظامِ مصطفٰے کے نعرے سے لرزنے لگے۔

۱۱۳ علماء نے سوشلزم کے خلاف فتویٰ جاری کیا جس سے اسلامیانِ پاکستان کی غفلت کے پردے چاک ہو گئے، قریب تھا کہ سوشلزم اسی وقت دفن ہو جاتا کہ جمعیۃ العلماء اسلام کے راہنماؤں مولوی غلام غوث ہزاروی اور مفتی محمود نے سوشلزم کو شرعی جواز مہیا کر دیا اور اپنی تمام تر مساعی بھٹو کی کامیابی کے لئے صرف کر دیں، سوشلزم کی مخالف جماعتیں چونکہ انتشار کا شکار تھیں اس لئے تیس، پینتیس فیصد ووٹ حاصل کرنے کے باوجود بھٹو کی جماعت، اسمبلی کی زیادہ نشستیں حاصل کرنے میں کامیاب ہو گئی۔

۲۲ مارچ ۱۹۷۰ء میں مشرقی اور مغربی پاکستان کے سوشلسٹوں اور کمیونسٹوں نے ٹوبہ ٹیک سنگھ میں کسان کانفرنس منعقد کی، جس میں بھاشانی مہمانِ خصوصی تھا، اس کانفرنس کا نعرہ تھا، ”ماریں گے مر جائیں گے سوشلزم لائیں گے“۔ اسی کانفرنس میں ٹوبہ کا نام لینن گراڈ تجویز کیا گیا۔

اہل سنت و جماعت کے علماء و مشائخ نے اپنا فرضِ منصبی سمجھتے ہوئے سوشلزم کے پروپیگنڈا کا مؤثر جواب دینے اور کسان کانفرنس کے اثرات کے ازالہ کے لئے عین اسی مقام پر ۱۳ / ۱۴ / جون ۱۹۷۰ء کو عظیم الشان ”سنی کانفرنس“ منعقد کی جس میں بطور مہمانِ خصوصی حضرت مولانا فضل الرحمٰن قادری مدینۂ طیبہ سے تشریف لا کر شریک ہوئے، اس کانفرنس کا منظر دیدنی تھا تا حدِ نظر پھیلے ہوئے غلامانِ مصطفٰے (صلی اللہ علیہ وسلم) کے جمِ غفیر اور اہلسنت کے تقریباً تین ہزار علماء و مشائخ کے مبارک اجتماع سے وہ سماں پیدا ہوا کہ باطل کی تمام تاریکیاں چھٹ گئیں۔ اس کانفرنس میں ملتِ اسلامیہ کو ”مقامِ مصطفٰے کے تحفظ اور نظامِ مصطفٰے کے نفاذ“ کا نعرہ ملا اور اعلان کیا گیا کہ اسی منشور کی بنیاد پر دسمبر ۱۹۷۰ء کے انتخابات میں حصہ لیا جائے گا، اسی اجتماع میں ٹوبہ کا نام ”دار السلام“ رکھا گیا۔

نشأۃ ثانیہ

اسی موقعہ پر جمعیت العلماء پاکستان کا انتخاب ہوا اور گرانقدر دینی و ملی خدمات کی بناء پر حضرت خواجہ قمر الدین سیالوی کو صدر منتخب کیا گیا، چونکہ انتخابات میں وقت بہت کم تھا اس لئے قائدین جمعیت نے ملک بھر میں طوفانی دورے کئے اور جگہ جگہ سنی کانفرنسیں منعقد کی گئیں، حضرت خواجہ صاحب قبلہ نے پیرانہ سالی کے باوجود ہر جگہ بنفسِ نفیس شرکت کی اور اہل سنت کو منظم کرنے میں بے مثال کردار انجام دیا، انتخابات ہوئے، تو جمعیت نے قومی اسمبلی کی سات نشستوں میں کامیابی حاصل کی، مختصر عرصے کی جدوجہد کے بعد اتنی نشستیں حاصل کر لینا جمعیت کی بہت بڑی کامیابی تھی، قائد اہلسنت مولانا شاہ احمد نورانی نے کراچی کے حلقہ نمبر ۲ سے پیپلز پارٹی کے نمائندہ کے مقابل نمایاں کامیابی حاصل کی اور قومی اسمبلی کے ممبر منتخب ہوئے، انتخاب کے بعد دار العلوم حزب الاحناف، لاہور میں جمعیت العلماء پاکستان کے مرکزی سطح کے اجلاس میں آپ کو جمعیت کے پارلیمانی گروپ کا قائد منتخب کیا گیا۔

۲۶ / ۲۷ / مئی ۱۹۷۳ء کو خانیوال میں جمعیت کا تاریخی کنونشن منعقد ہوا جس میں مولانا شاہ احمد نورانی کو جمعیت کا مرکزی صدر اور مولانا عبد الستار خاں نیازی کو جنرل سیکرٹری منتخب کیا گیا بلاشبہ یہ انتخاب بہت ہی مبارک ثابت ہوا۔

۱۹۷۰ء کے انتخابات یحییٰ خان کے دورِ اقتدار میں ہوئے، مشرقی پاکستان میں مجیب الرحمٰن اور مغربی پاکستان میں بھٹو کی جماعت نے اکثریتی پوزیشن حاصل کی، پھر جب مجیب کی اکثریتی پارٹی کو اقتدار سپرد کرنے میں لیت و لعل سے کام لیا گیا، تو اندرونی اور بیرونی سازشوں کے نتیجے میں پاکستان دولخت ہو گیا، جاتے ہوئے یحییٰ خان، زمامِ اقتدار مسٹر بھٹو کو دے گیا، حزبِ اختلاف پارٹیوں نے ”متحدہ جمہوری محاذ“ قائم کیا، تو اس میں مولانا شاہ احمد نورانی کی پوزیشن بہت ہی نمایاں تھیں جس کا اندازہ اس سے کیا جا

سکتا ہے کہ مسٹر بھٹو کے مقابلہ میں پاکستان کی وزارت عظمیٰ کے لئے ۵ راگست ۱۹۷۳ء کو متحدہ جمہوری محاذ نے متفقہ طور پر آپ کو ہی نمائندہ اور امیدوار منتخب کیا تھا۔[1]

قائد اہلسنت مولانا شاہ احمد نورانی کی شخصیت حق گوئی اور بے باکی میں ضرب المثل کی حیثیت رکھتی ہے، ۱۹۵۸ء میں آپ روس کے دورہ پر گئے، تو حکومت روس کا پروگرام یہ تھا کہ آپ لینن کی سمادھی پر پھول چڑھائیں، لیکن آپ نے صاف انکار کر دیا، یحییٰ خان کو شراب نوشی پر جس طرح سرزنش کی اس پر بیگانے بھی عش عش کر اٹھے، شورش کاشمیری نے لکھا

یاد رہے یہ وہی مولانا نورانی ہیں جنہوں نے اس دور کے محمد شاہ رنگیلے (یحییٰ خان) کو مے نوشی میں مستغرق دیکھ ڈانٹ دیا تھا اور گرج کر کہا تھا۔

یحییٰ! شراب نوشی بند کردو، ورنہ ہم جا رہے ہیں[2]

۱۹۷۰ء کے انتخابات میں مجیب الرحمٰن کی جماعت نے سب سے زیادہ نشستیں حاصل کیں دوسرا نمبر پیپلز پارٹی کا تھا، مولانا شاہ احمد نورانی نے یحییٰ خان کو کھلے لفظوں میں کہا تھا کہ اسمبلی کا اجلاس بلا کر اقتدار اکثریتی پارٹی کے سپرد کر دیجئے اور اگر اقتدار منتقل نہ کیا گیا، تو ملک ٹوٹ جائے گا، اس وقت بعض لوگوں نے بہت چہ میگوئیاں کی تھیں مشرقی پاکستان کے باشندے جو پہلے ہی محرومیت کے شاکی تھے ان کا احساس محرومی اور شدت اختیار کر گیا اور اکثریتی پارٹی کو اقتدار منتقل نہ کرنے کا نتیجہ یہ نکلا کہ اندرونی اور بیرونی سازشیں ملک کو دولخت کرنے میں کامیاب ہوگئیں، تب ہر شخص نے قائد اہلسنت کی بصیرت کا اعتراف کیا۔

بھٹو کے دور میں حزب اختلاف کے راہنماؤں کے انٹرویو نشر کئے گئے، مولانا

---

[1] محمد صادق، مولانا ابو داؤد: شاہ احمد نورانی، ایڈیشن چہارم ص ۱۹

[2] ہفت روزہ چٹان، ۳۱ رمئی ۱۹۷۳ء بحوالہ شاہ احمد نورانی، از مولانا ابو داؤد محمد صادق ص ۱۴۵

شاہ احمد نورانی کے انٹرویو کی شان ہی نرالی تھی، زیدی ایسا شاطر وکیل بڑے نوکیلے سوالات اٹھاتا لیکن جب قائد اہل سنت جواب دیتے تو وہ منہ دیکھتا رہ جاتا۔

۱۵ را پریل ۱۹۷۲ء کو قومی اسمبلی کے پہلے اجلاس میں عبوری آئین پر تقریر کرتے ہوئے قائد اہل سنت نے فرمایا: جو آئین ہمارے سامنے عمدہ فریم میں سجا کر پیش کیا گیا۔ اس میں اسلام کو قطعاً کوئی تحفظ حاصل نہیں ہے اس میں یہ بھی لکھا ہے کہ پاکستان کا صدر مسلمان ہوگا، مگر مسلمان کی تعریف کوئی نہیں جانتا کہ کیا ہے ہر شخص مسلمان بننے کی کوشش کرتا ہے، اس ملک میں اسلام کے بدترین قسم کے دشمن موجود ہیں وہ مسلمان بن کر یہاں حکمران بن سکتے ہیں اور چور دروازے سے حکومت کرنے کے لئے وہ یہاں آسکتے ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو آخری نبی نہ ماننے والا ہمارے نزدیک مسلمان نہیں ہے۔

اس پر کوثر نیازی نے کہا کہ مسلمان کی تعریف پر خود علماء آپس میں متفق نہیں ہیں اگر علماء مسلمان کی متفقہ تعریف پیش کر دیں تو ہم اسے منظور کرنے کے لئے تیار ہیں اس وقت اسمبلی میں موجود اہلسنت کے نامور عالم علامہ عبدالمصطفےٰ ازہری نے ہی اس چیلنج کو قبول کیا اور متفقہ تعریف پیش کر دی علماء اہلسنت کی تیار کردہ تعریف ہی آئین میں شامل کی گئی یہ بھی قائد اہلسنت کی کوششوں کا نتیجہ تھا کہ مملکت کا مذہب اسلام قرار دیا گیا اور اور تسلیم کیا گیا کہ کتاب وسنت کے منافی کوئی قانون نہ بنایا جائے گا، پہلے سے موجودہ قوانین کو قرآن وسنت کے مطابق ڈھالا جائے گا اور وہ آرٹیکل حذف کر دیا گیا جس میں اسلامی سوشلزم کو معیشت کی بنیاد قرار دیا گیا تھا۔ اسمبلی میں اپنی اکثریت کی بنا پر پیپلز پارٹی نے آئین تیار کر کے اسمبلی کے سامنے پیش کر دیا اس منظوری کے دوران مولانا شاہ احمد نورانی بے اندازہ مصروفیتوں کے باوجود ہر اجلاس میں پوری تیاری کے ساتھ شریک ہوتے رہے اور تمام دوسرے اجلاس اور دیگر ضروری امور پس پشت ڈال دیئے جبکہ مفتی محمود اور مولوی غلام غوث ہزاروی اور دیگر ارکان اسمبلی نے اپنے معمولات بدستور جاری رکھے۔

دستور کی تیاری کے دوران جمعیت العلماء پاکستان کے رہنماؤں کو مرکز اور سندھ میں وزارتوں اور سفارتوں کی پیش کش کی گئی جسے انہوں نے اسلام اور جمہوریت کی خاطر ٹھکرا دیا قائدین جمعیت کی طرف سے آئین میں بے شمار ترامیم پیش کی گئیں جس میں سے اکثر کو پیپلز پارٹی نے اپنی اکثریت کی بناء پر قبول نہیں، اسی طرح جب بھٹو نے بنگلہ دیش تسلیم کرنے کا فیصلہ کر لیا تو اہل سنت کے قائدین نے اسمبلی کے اندر اور باہر اس کی سخت مخالفت کی اور اسے آئین کی خلاف ورزی قرار دیا۔

تحریک نظام مصطفےٰ

بھٹو نے مارچ ۷۷ ۱۹ء کے انتخاب کا اعلان کیا، تو جمعیت العلماء پاکستان کی کوششوں اور اس کے کوٹے کی سیٹوں کی قربانی سے "قومی اتحاد" قائم ہوا۔ ابتداءً مقام مصطفےٰ کے تحفظ اور نظام مصطفےٰ کے نفاذ کا نعرہ صرف جمعیت ہی کا نعرہ تھا، بعد میں بے پناہ عوامی مقبولیت کی بناء پر بلا امتیاز تمام جماعتوں نے یہ نعرہ اپنایا، اس مبارک نعرے کی برکت تھی کہ غلامان مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) نے دیوانہ وار قومی اتحاد کی آواز پر لبیک کہی اور بڑی سے بڑی قربانی سے دریغ نہ کیا۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ تحریک کے دوران سب سے زیادہ قربانیاں اہل سنت نے دیں، گرفتار ہونے والوں میں سب سے زیادہ تعداد اہلسنت ہی کی تھی، اس کا سبب بھی واضح ہے کہ جس جماعت کے نزدیک دین و دنیا کی سب سے عزیز ترین متاع حُبِ مصطفےٰ (صلی اللہ علیہ وسلم) ہو جس کے نزدیک محبوبِ خدا (صلی اللہ علیہ وسلم) کی ادنیٰ گستاخی کفر ہو، جس کے نزدیک ناموس مصطفےٰ ہر متاع حیاتِ جاوید کی ضمانت ہو وہ بڑے سے بڑے خطرے کو درخورِ اعتنا نہیں سمجھتی، اس کے نزدیک نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے نام پر جان قربان کر دینا سب سے بڑا اعزاز اور ذریعہ نجات ہے۔

اکثر و بیشتر اہلسنت کے نوجوانوں نے جام شہادت نوش کیا، مولانا مفتی مختار احمد

گجراتی کا تمام جسم جلوس کی قیادت کرتے ہوئے گولیوں سے چھلنی ہو گیا، مولانا حافظ محمد عالم سیالکوٹی کی کلائی پر گولی لگی، حضرت محدث اعظم پاکستان مولانا سردار احمد فیصل آبادی کے صاحبزادگان، صاحبزادہ قاضی محمد فضل رسول اور صاحبزادہ حاجی محمد فضل کریم پر ایک جلوس کی قیادت کرتے ہوئے پولیس نے اتنا تشدد کیا کہ کئی لاٹھیاں ٹوٹ گئیں، مگر انہوں نے اُف تک نہ کی اور نہ اپنی جگہ سے ہٹے۔

جمعیت العلماء پاکستان کے بے شمار راہنما اور اراکین نے نہایت صبر و استقلال سے قید و بند کی صعوبتوں کو برداشت کیا، مجاہد ملت مولانا عبدالستار خان نیازی کو جیل میں سخت اذیتیں پہنچائی گئیں ایک مرتبہ ان پر قاتلانہ حملہ بھی کرایا گیا، مگر دنیا جانتی ہے کہ نظامِ مصطفےٰ کے اس مجاہد جلیل کے عزم میں کوئی فرق نہیں آیا۔ ملتان میں مولانا حامد علی خان کا اس قدر اثر و نفوذ تھا کہ اغیار نے بھی انہیں ملتان کا بے تاج بادشاہ تسلیم کیا، جب پولیس انہیں گرفتار کر کے لے جانے لگی، تو بے شمار جیالے مسلمان، جیپ کے آگے لیٹ گئے اور کہا کہ ہماری لاشوں پر سے گزر کر ہی تم مولانا کو لے جا سکو گے، مولانا حامد علی خان نے پولیس سے کہا کہ اس وقت تم چلے جاؤ، میں خود آ کر گرفتاری دے دوں گا۔ گوجرانوالہ سے پانچ پانچ کی بجائے بیس بیس افراد نے یومیہ گرفتاری دی۔

راولپنڈی میں مولانا سید عبدالقادر شاہ گیلانی جلوس کی قیادت کر رہے تھے کہ فوج نے ایک جگہ روک کر آگے پٹی بچھا دی اور کہا کہ جو شخص اسے کراس کرے گا اُسے شوٹ کر دیا جائے گا، شاہ صاحب نعرۂ رسالت لگاتے ہوئے ایک کے بعد دوسری اور تیسری پٹی بھی کراس کر گئے۔ کراچی میں سید غوث محمد شاہ جیلانی نے بھی اسی جان نثاری کا مظاہرہ کیا، سرگودھا میں جب پیر محمد کرم شاہ الازہری مدیر ضیائے حرم کو تحریک میں حصہ لینے کی بناء پر پیرانہ سالی کے باوجود تین ماہ قید بامشقت کی سزا سنائی گئی، تو انہوں نے مسکراتے ہوئے جج سے کہا! بس اتنی سی سزا دینا تھی، میرا جرم تو اس سے کہیں زیادہ تھا۔

قائدِ اہلِ سنت مولانا شاہ احمد نورانی چونکہ تحریک کی روح رواں تھے، اس لیے خاص طور پر حکومت کی نظر میں کھٹکتے تھے، چنانچہ انہیں وقفہ وقفہ سے متعدد مرتبہ گرفتار کیا گیا اور کراچی، سکھر اور خیرپور جیل میں رکھا گیا اور آخر میں ماہِ جون کی شدید گرمی میں گڑھی خیرو کی جیل میں رکھا گیا۔ گڑھی خیرو، بلوچستان کا وہ مقام ہے جہاں پاکستان میں سب سے زیادہ گرمی پڑتی ہے۔ پھر ستم یہ کہ انہیں جس کوٹھڑی میں بند کیا گیا، اس پر چھت بھی مکمل نہ تھی نہ پنکھے کا انتظام تھا۔ سورج کے طلوع ہوتے ہی گرمی عروج کو پہنچ جاتی۔ قائدِ اہلِ سنت ایسے نفیس اور لطیف المزاج شخص کا اتنی سخت صعوبت برداشت کر جانا، ثابت قدم رہنا اور کبھی حرفِ شکایت زبان پر نہ لانا اس بات کی دلیل ہے کہ ان پر نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی خاص نظرِ عنایت ہے۔ انہی دنوں آپ کی والدہ ماجدہ کا ایک بیان اخبارات میں چھپا جس میں انہوں نے فرمایا:

"مجھے خوشی ہے کہ نورانی میاں کا حوصلہ بلند ہے۔ اگر قومی زندگی کے اس نازک مرحلے پر وہ کسی قسم کی کمزوری کا مظاہرہ کرتے، تو میں مرتے دم تک انہیں اور خود کو معاف نہیں کر پاتی۔

یہ بیان جہاں لاکھوں فدایانِ مصطفٰے کو ایمانی کیف و سرور سے سرشار کر گیا، وہاں اسلاف کی یاد بھی تازہ کر گیا اور ہماری ماؤں بہنوں اور ملتِ اسلامیہ کے تمام افراد کو منزل کا پتہ دے گیا۔

۸ اگست ۱۹۷۷ء کو اہالیانِ لاہور نے دیکھا کہ جب مولانا شاہ احمد نورانی ایئرپورٹ سے تشریف لا رہے تھے، تو بھٹو کے استقبال کو آنے والے چند غنڈوں نے مال روڈ پر آپ کی کار کو روک کر غنڈہ گردی کا مظاہرہ کیا۔ ایک بدمعاش نے اینٹ مار کر کار کا پچھلا شیشہ توڑ ڈالا۔ ایک ظالم نے اینٹ ماری جو آپ کے عمامہ پر لگتے ہی گر گئی۔ ایک شقی نے ڈنڈا مارا وہ بھی بے اثر رہا۔ اب غنڈے کھڑکی کے قریب پہنچ گئے تھے۔

مولانا نے ہاتھ باہر نکال کر انہیں پیچھے ہٹانا چاہا، تو جھٹکے سے عمامہ باہر جا پڑا، جسے ظالموں نے تار تار کر دیا۔ ڈرائیور موقعہ ملتے ہی تیزی سے کار آگے بڑھا کر لے گیا۔

ہفت روزہ "افریشیا" نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا:

ان بدمعاشوں نے پاکستان کے ایک نہایت ہی محترم رہنما مولانا شاہ احمد نورانی صدیقی کی پگڑی پر ہاتھ ڈالا ہے۔ یہ ایسا واقعہ ہو گیا کہ لاہور والوں کے سر شرم سے جھک گئے اور دل دہل گئے۔ مولانا نورانی کے لیے پگڑی تو کیا، خدا کی راہ میں سر بھی حاضر تھا۔[1]

قائدِ اہلِ سنت چونکہ کراچی میں رہتے ہیں، اس لیے کراچی اور حیدرآباد میں بے پناہ جوش و خروش پایا جاتا تھا۔ مولانا شاہ فرید الحق، مولانا محمد حسن حقانی، علامہ عبد المصطفٰے ازہری، مولانا محمد حسین سکھروی، مولانا محمد طفیل، مولانا محمد عبد السبحان، مولانا محمد رمضان، مولانا منظور الحق، جناب ظہور الحسن بھوپالی، حاجی محمد حنیف طیب، صوفی ایاز خاں نیازی، سید غوث محمد شاہ جیلانی، جناب سید احمد یوسف ایڈووکیٹ، غلام عباس قادری، سید افسر علی شاہ، مولانا سید اقبال حسین شاہ (حیدرآباد) مولانا یعقوب قادری (نواب شاہ) اور اہلِ سنت کے دیگر راہنماؤں اور اراکین نے بے بہا قربانیاں دیں جنہیں فراموش نہیں کیا جا سکتا۔

جامعہ نعیمیہ گڑھی شاہو لاہور میں حضرت علامہ سید احمد سعید کاظمی کی صدارت میں ایک اجلاس منعقد ہوا جس میں نظامِ مصطفٰے کی تحریک کو مقدس جہاد اور اس میں شرکت کو ہر مسلمان کا فریضہ قرار دیا گیا۔ اس فتوے پر ۲۶ علماء کے دستخط تھے۔ ایسا ہی ایک فتویٰ دار العلوم حزب الاحناف لاہور کی طرف سے شائع ہوا جس پر ۱۵ علماء کے دستخط تھے۔

---

[1] محمد صادق، مولانا ابو داؤد: شاہ احمد نورانی ص ۱۷۸

۱۶-۱۷ اکتوبر ۱۹۷۸ء

کُل پاکستان سُنی کانفرنس (ملتان)

گزشتہ صفحات کے مطالعہ سے یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح واضح ہوجاتی ہے کہ ہر ملکی و ملّی تحریک میں اہل سنت کے علماء، مشائخ اور عوام الناس نے بڑھ چڑھ کر حصّہ لیا اور بڑی سے بڑی قربانی دینے سے کبھی دریغ نہیں کیا۔ اہل سنت کا ماضی اتنا درخشاں اور تابندہ ہے کہ اس کی چکا چوند آنکھوں کو خیرہ کیے دیتی ہے۔ بلاشبہ اہل سنت کی حسین روایات اتنی گرانقدر ہیں کہ ان پر جتنا بھی فخر کیا جائے۔

آج مخالفین اہل سنت غیر ملکی امداد اور غیر منتخب حکومت میں شمولیت کے نشے میں اس قدر بدمست ہیں کہ اہل سنت کے حقوق پامال کرنے اور بیرونی سرمائے کے بل بوتے پر جبراً اہلِ پاکستان کے گلے میں وہابیت کا جوا ڈالنے کی پیہم کوششوں میں مصروف ہیں۔ محکمۂ اوقاف سے وابستہ اہل سنت کی کتنی مساجد ہیں جن پر پہلے ہی دیوبندی وہابی امام وخطیب مسلط کردیے گئے ہیں۔ اب علماءِ اہلِ سنت کے خلاف کارروائی کی جاتی ہے اور ان کی دادفریاد سننے والا کوئی نہیں ہوتا۔ سنی اوقاف پر دوسرے مسلک کے افراد مسلط ہیں۔ ملک میں کئی مساجد ایسی ہیں جہاں جارحانہ کارروائی سے صلوٰۃ وسلام بند کیا جارہا ہے۔ گزشتہ سال رائے ونڈ کے تبلیغی اجتماع میں نعرۂ رسالت اور بابا شاہ جمال زندہ باد کا نعرہ لگانے پر محمد اقبال کو مار مار کر شہید اور محمد خاں کو مفلوج کردیا گیا۔ اس بھیانک جرم کے مرتکب افراد کے خلاف ابھی تک کارروائی عمل میں نہیں لائی جاسکی۔

بحمدہٖ تعالیٰ ہم محبِ وطن اور قانون پسند شہری ہیں، ہم ہرگز یہ نہیں چاہتے کہ ایسی کارروائیوں کی بناء پر مختلف مکاتبِ فکر میں ٹکراؤ پیدا ہو اور ملک انتشار کا شکار ہوجائے، اس صورتِ حال سے یقیناً اسلام اور ملک دشمن عناصر کو فائدہ پہنچے گا۔ ہم صرف اہل سنت

کے حقوق اور مسلکِ اہل سنت کا تحفظ چاہتے ہیں اور یہ مقصد اس وقت تک حاصل نہیں ہوسکتا۔ جب تک اہل سنت بیدار اور منظم نہ ہوجائیں۔ "کل پاکستان سنی کانفرنس ملتان" کا مقصد وحید اہل سنت کے شعور کو بیدار کرنا، انہیں مذہبی سطح پر منظم کرنا اور اصلاح عقائد واعمال کی تحریک کو فروغ دینا ہے، نیز اسلامی معاشرہ کی اصلاح، خالص مذہبی اقدار کا فروغ اور نظریۂ پاکستان کی حفاظت واشاعت ہے۔

برادرانِ اہل سنت

* جماعت اہل سنت سنیوں کی وہ ملک گیر مذہبی اور غیر سیاسی تنظیم ہے جو ۱۹۶۰ء میں کراچی میں قائم کی گئی۔ اُس وقت سے جماعت اہل سنت گرانقدر دینی و ملی خدمات انجام دے رہی ہے۔ جماعت کی طرف سے ماہنامہ ترجمان اہل سنت (کراچی) باقاعدگی سے شائع ہورہا ہے۔ قرآن پاک کی تعلیم کے بیسیوں مدارس جماعت کے زیر اہتمام بحسن وخوبی کام کررہے ہیں۔ مدارس اور مساجد کے انتظام، سیلاب زدگان، بیوگان، یتامیٰ اور نادار افراد کی امداد پر جماعت اِس وقت تک ملک وملت کا درد رکھنے والے مسلمانوں کے تعاون سے لاکھوں روپے خرچ کرچکی ہے۔

بحمدہٖ تعالیٰ اِس وقت تک ملک کے چاروں صوبوں میں جماعتِ اہل سنت کی شاخیں قائم ہوچکی ہیں اور بے شمار افراد اس کی رکنیت اختیار کرچکے ہیں۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ ہر شہر اور ہر قصبہ ودیہات میں "جماعتِ اہل سنت" کی شاخیں قائم کی جائیں اور تمام اہل سنت کو تنظیم کی لڑی میں پرو دیا جائے۔ ملک میں مقامِ مصطفےٰ کا تحفظ اور نظامِ مصطفےٰ کا نفاذ اور اصلاح عقائد واعمال کی تبلیغ، لادینیت اور بدمذہبی کا مقابلہ اور حقوقِ اہل سنت کا بچاؤ اسی صورت میں ہوسکتا ہے کہ اہل سنت منظم ہوجائیں، ورنہ ہماری عظیم اکثریت کسی مرحلہ پر بھی مؤثر نہیں ہوسکے گی۔

چند نادر علمی اور تاریخی کتابیں

باغی ہندوستان

جنگِ آزادی، ۱۸۵۷ء کے نامور مجاہد علامہ فضلِ حق خیرآبادی اور ان کے سلسلہ کے دیگر مشہور زمانہ افاضل کے عالمانہ اور مجاہدانہ کارنامے، تصنیف علامہ فضل حق خیرآبادی، ترجمہ وتقدیم عبدالشاہد خاں شروانی
قیمت ۱۸/۰۰

خطباتِ آل انڈیا سنی کانفرنس

۱۹۲۵ء - ۱۹۴۷ء مرتبہ جناب محمد جلال الدین قادری

جس میں تحریکِ پاکستان کے مخفی گوشے پہلی بار بے نقاب ہوتے ہیں۔ برِصغیر میں پیش آمدہ حالات پر علماءِ اہلِ سنت کے بے لاگ تبصرے، تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کیلئے دستاویزی ثبوت، قیمت ۲۱/

تذکرہ اکابرِ اہلِ سنت (پاکستان)

پاکستان کے پونے دو صد علماء کے پاکیزہ حالاتِ زندگی اور علمی، سیاسی، ملکی و ملی خدمات کا دل نواز مرقع، تالیف محمد عبدالحکیم شرف قادری قیمت ۳۰/۰۰

فاضل بریلوی اور ترکِ موالات

تحریکِ ترکِ موالات کے پس منظر اور علماءِ اہلِ سنت کے موقف پر تفصیلی گفتگو۔
از پروفیسر محمد مسعود احمد، پرنسپل گورنمنٹ سائنس کالج سکرنڈ (سندھ) قیمت ۴-۵۰

المبین

بیمثال خواص کی بناء پر دنیا کی تمام زبانوں پر عربی زبان کی فوقیت پر منفرد کتاب جسے علامہ اقبال، پروفیسر براؤن اور نواب حبیب الرحمن شروانی نے بیحد سراہا۔ تصنیف مولانا سید سلیمان اشرف بہاری خلیفہ اعلیٰ حضرت بریلوی وسابق صدر شعبہ دینیات مسلم یونیورسٹی علیگڑھ، قیمت ۱۳/۵۰

النبراس شرح شرح عقائد

از علامہ عبدالعزیز پرہاروی، فوٹو آفسٹ طباعت، رنگین کاغذ قیمت مجلد ۴۰/۰۰، غیر مجلد ۳۰/

شرح میر زاہد ملا جلال

از علامہ عبدالحق خیرآبادی، فوٹو آفسٹ طباعت، رنگین کاغذ، قیمت ۱۳/۵۰

مکتبہ قادریہ ○ لاہور